مولانا ابوالکلام آزاد کے خطبات کی عہد حاضر میں معنویت

رفیع الدین

شعبۂ اردو، دہلی یونیورسٹی، دہلی، موبائل:9953714065

مولانا ابوالکلام آزاد کی شخصیت ایک گلدستہ کی مانند ہے جو مختلف طرح کے رنگ برنگے پھولوں سے آراستہ ہے اور اس گلدستہ میں یہ طے کر پانا مشکل ہو جاتا ہے کہ کون سا رنگ دوسرے پر حاوی ہے۔ آزاد کی شخصیت کے مختلف پہلو ہیں وہ بیک وقت ایک ماہر سیاست داں، مفکر، مفسر، عالمِ دین، خطیب، صحافی اور جنگ آزادی کے صف اوّل کے مجاہد تھے۔ ہندوستان کی جنگ آزادی میں مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی تقریروں، تحریروں نیز عملی سرگرمیوں سے ہندوستانیوں بالخصوص مسلمانوں کے پیروں میں صدیوں سے پڑی غلامی کی زنجیروں میں حرکت و جنبش پیدا کر دی اور ساتھ ہی انھیں فکر و عمل کی دعوت بھی دی جس کا واضح رشتہ تحریک آزادی کی جد و جہد و سعی سے عبارت ہے۔ اس کے علاوہ بھی انھوں نے آزادی کے بعد ہندوستان کی تعمیر نو کے کاموں کے علاوہ ملک کی ترقی اور استحکام اور خوش حالی کے لیے نمایاں خدمات انجام دیں۔ آزاد نے ملک کی آزادی کے لیے جو خدمات انجام دی ہیں وہ سب شواہد کے طور پر تحریری شکل میں ان کے خطبات میں محفوظ ہیں جو انھوں نے جلسوں میں مختلف مواقع پر پیش کیے ہیں ان خطبات میں آزاد کی سیاسی بصیرت، دور اندیشی، مسلمانوں میں پھیلے شک و شبہات کا ازالہ، ملک کے سیاسی نشیب و فراز، ہندو مسلم اتحاد اور ان کی جنگ آزادی میں کی جانے والی جد و جہد، ان کے ملی تشخص کے معاملات و مسائل وغیرہ کے تابندہ نقوش جلوہ گر نظر آتے ہیں۔ عربی نصاب کی تدوین نو کا سوال ہو یا ملک کی تقسیم کے دل دوز واقعات، رام گڑھ کا صدارتی خطبہ ہو یا علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے معاملات، ہر جگہ آزاد کے اندر مسئلے کی گہرائی تک پہنچنے کی صلاحیت موجود تھی اور ان مسائل کو حل کرنے کا ہنر بھی ان میں تھا۔ مولانا آزاد ہر معاملے میں آزاد رائے رکھتے تھے اور عام حالات میں ان پر اثر ڈالنا ممکن نہیں تھا۔ سیاسی، مذہبی اور مختلف النوع خیالات کو بڑی بے باکی سے پیش کرتے ہیں جس کی بہترین مثال ان کے خطبات میں موجود ہے۔ انھوں نے پوری قوم کے لیے لیے گئے غلط فیصلے کی برسرِ عام مذمت کی اور قوم کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اور انھیں نادم ہونے کے لیے موقع بھی فراہم کیا۔ اس عہد میں سرسید کے خیالات کی مخالفت کرنا قوم سے دشمنی لینے کے مترادف تھا۔ اس کے باوجود بھی آزاد نے اپنے رسالہ الہلال میں کھل کر نکتہ چینی کی۔ جامع مسجد کے ۱۹۴۷ء کے خطبے کو کون بھول سکتا ہے کہ اس کے مخاطبین صرف حاضر ہی نہیں بلکہ غائب بھی تھے اس کے باوجود اردو صحافت کے اس جیالو نے اپنے خطبے کے ایک ایک لفظ کو ہزاروں دور میل بیٹھے عوام تک پہنچا دیا۔ آزاد کے دوسرے علمی کارنامے اپنی جگہ، لیکن ان کے خطبات کے دائرۂ اثر کا کوئی مقابلہ و موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔ نفسیات کے ماہرین کی طرح آزاد نے مجمع کی ذہنیت، افراد کے خیالات کی سرشت اور وقت و رجحان کو بخوبی سمجھتے ہیں اور ہمیشہ اپنی بات کی وضاحت کے لیے بیان کا ایسا اسلوب اختیار کرتے ہیں جس میں خطابت کی داخلی اور خارجی خوبیاں بدرجۂ اتم موجود ہوتی ہیں۔ آزاد کے تمام خطبات کی تاریخی اور سیاسی حیثیت کے علاوہ ایک ادبی حیثیت بھی ہے۔ ادبی اعتبار سے یہ اردو نثر کے شاہکار ہیں اور اردو ادب ان کی بدولت ثروت مند ہوا ہے، لیکن میرا مقصد یہاں آزاد کے تفکرات، نظریات اور ان کے خطبات کی تعریف و توصیف بیان کرنا نہیں بلکہ ان کے خطبات کی عہد حاضر میں معنویت سے ہے۔ آزاد ملک کی آزادی اور قومیت کے لیے ہندو مسلم اتحاد کو بے حد ضروری تسلیم کرتے تھے وہ ہمیشہ اس کے لیے فکر مند اور بے قرار رہتے تھے، کیوں کہ ان کے نزدیک یہ ایک ایسا ہتھیار ہے جس کے بغیر سوراج اور آزادی کا خواب بے معنی اور بے مقصد ہے۔ انھوں نے دو قومی نظریے کی کھل کر اور زبردست طریقے سے مخالفت کی، وہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو آپسی محبت، اخوت اور بھائی چارگی کے رشتے کو بنائے رکھنے کی تاکید کرتے رہتے۔ ان کا ماننا تھا کہ اسی میں ملک کی بقا اور دونوں قوموں کی بھلائی بھی ہے۔ ہندو مسلم اتحاد کا یہ جذبہ ان کے ذہن پر اس قدر چھایا ہوا تھا کہ اس کے مقابلے میں ہندوستان کی آزادی کو بے سود اور بے مقصد قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک ملک کا آزاد نہ ہونا صرف

ہندوستان کا خسارہ ہے جبکہ ہندو مسلم اتحاد کا فقدان پورے عالمِ انسانیت کا خسارہ ہے۔ اس لیے دسمبر ۱۹۲۳ء میں دہلی میں ہونے والے انڈین نیشنل کانگریس کے اجلاس میں اپنے خطبۂ صدارت میں فرماتے ہیں:

''ہماری جدوجہد کی بنیاد ہندو مسلم اتحاد ہے۔ یہ ہماری تعمیرات کی وہ پہلی بنیاد ہے جس کے بغیر نہ صرف ہندوستان کی آزادی کی وہ تمام باتیں جو کسی ملک کے زندہ رہنے اور ترقی کرنے کی ہوسکتی ہیں محض خواب و خیال ہیں۔ صرف یہی نہیں ہے کہ اس کے بغیر ہمیں قومی آزادی نہیں مل سکتی، بلکہ اس کے بغیر ہم انسانیت کے ابتدائی اصول بھی اپنے اندر پیدا نہیں کر سکتے۔ آج اگر ایک فرشتہ آسمان کی بلندیوں سے اتر آئے اور دہلی کے قطب مینار پر کھڑا ہو کر یہ اعلان کر دے کہ سوراج ۲۴ گھنٹے کے اندر مل سکتا ہے، بشرطیکہ ہندوستان ہندو مسلم اتحاد سے دست بردار ہو جائے، تو میں سوراج سے دست بردار ہو جاؤں گا، لیکن ہمارا اتحاد جاتا رہا تو یہ عالمِ انسانیت کا نقصان ہے۔''[۱]

(خطباتِ آزاد، از ابوالکلام آزاد، مرتبہ مالک رام، ساہتیہ اکادمی ساتواں ایڈیشن، ۲۰۱۵ء، ص: ۲۰۵)

آزاد سترہ برس بعد جب دوسری مرتبہ انڈین نیشنل کانگریس کے صدر منتخب ہوئے تو انھوں نے مارچ ۱۹۴۰ء میں رام گڑھ کے سالانہ اجلاس میں جو صدارتی خطبہ فرمایا، اس میں تمام مسائل کے ساتھ اسلامی مسائل کو بھی چھیڑا۔ ان کا خیال ہے کہ ہندوؤں کا آزادی کے لیے جدوجہد کرنا حب الوطنی ہے، جبکہ مسلمانوں کے لیے یہ ان کا دینی فریضہ ہے۔ آزاد کے نزدیک اسلام اور قومیت میں کوئی تضاد نہیں ہے کیوں کہ اسلام اس بات کا حکم دیتا ہے کہ مسلمان جس ملک میں رہیں اس سے محبت کریں اور اس کی خدمت و ترقی کی ہر ممکن کوشش کریں۔ یہاں پر لفظ حکم استعمال ہے جو اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس کا کرنا مسلمانوں کے لیے ناگزیر ہو گیا ہے۔ اور اگر کوئی بھی مسلمان اس حکم کی نافرمانی کرتا ہے تو گویا وہ شخص خدا کے حکم کی نافرمانی کر رہا ہے جو اس کے لیے گناہ کا باعث ہے۔ مولانا آزاد کا یہ خطبہ تاریخی اہمیت کا حامل ہے وہ مذہب، سیاست اور دین و دنیا میں کوئی فرق تصور نہیں کرتے ہیں اس لیے اپنے خطبے میں فرماتے ہیں:

''میں مسلمان ہوں اور فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ مسلمان ہوں، اسلام کی تیرہ سو برس کی شاندار روایتیں میرے ورثے میں آئی ہیں، میں تیار نہیں کہ اس کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا حصہ بھی ضائع ہونے دوں، اسلام کی تعلیم، اسلام کی تاریخ، اسلام کے علوم و فنون، اسلام کی تہذیب، میری دولت کا سرمایہ ہے اور میرا فرض ہے کہ اس کی حفاظت کروں، بحیثیت مسلمان ہونے کے میں مذہبی اور کلچرل دائرے میں اپنی ایک خاص ہستی رکھتا ہوں اور میں برداشت نہیں کر سکتا کہ اس میں کوئی مداخلت کرے، لیکن ان تمام احساسات کے ساتھ ایک اور احساس بھی رکھتا ہوں جسے میری زندگی کی حقیقتوں نے پیدا کیا ہے، اسلام کی روح مجھے اسے نہیں روکتی، وہ اس راہ میں میری رہنمائی کرتی ہے، میں فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ میں ہندوستانی ہوں، میں ہندوستان کی ایک اور ناقابلِ تقسیم متحدہ قومیت کا ایک عنصر ہوں، میں اس متحدہ قومیت کا ایک ایسا اہم عنصر ہوں جس کے بغیر اس کی عظمت کا ہیکل ادھورہ رہ جاتا ہے میں اس تکوین (بناوٹ) کا ایک ناگزیر عامل (Factor) ہوں، میں اپنے اس دعویٰ سے کبھی دست بردار نہیں ہوسکتا۔''[۲]

(خطباتِ آزاد، از ابوالکلام آزاد، مرتبہ مالک رام، ساہتیہ اکادمی، ساتواں ایڈیشن، ۲۰۱۵، ص: ۲۹۷-۲۹۸)

اس کے بعد آزاد اسلام کے نقطۂ نظر کی وضاحت بھی کرتے ہیں اور اسلام کو بین الملی نسخہ کے طور پر پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''درحقیقت اسلام کے نزدیک وطن و مقام اور رنگ و زبان کی تفریق کوئی چیز نہیں۔ رنگ و زبان کی تفریق کو وہ ایک الٰہی نشان ضرور تسلیم کرتا ہے۔ اس کو وہ کسی انسانی تفریق و تقسیم کی حد نہیں قرار دیتا اور انسان کے تمام دنیوی رشتے خود انسان کے بنائے ہوئے ہیں اصلی رشتہ صرف ایک ہے اور وہی ہے جو انسان کو اس کے خالق اور پروردگار سے متصل کرتا ہے۔ وہ ایک ہے پس اس کے ماننے والوں کو بھی ایک ہونا چاہیے اگرچہ سمندروں کے طوفانوں، پہاڑوں کی مرتفع چوٹیوں، زمین کے دور دراز گوشوں اور جنس و نسل کی تفریقوں نے ان کو باہم ایک دوسرے سے جدا کر دیا ہو۔''[۳]

(خطباتِ آزاد، از ابوالکلام آزاد، مرتبہ مالک رام، ساہتیہ اکادمی، ساتواں ایڈیشن، ۲۰۱۵، ص: ۱۶)

اب ان خطبات کو مدِنظر رکھ کر آج کے حالات کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ پوری دنیا میں کس طرح سے اسلام کو بدنام کیا جا رہا ہے اور مسلمانوں کو ایک ظالم اور جابر قوم کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے یہاں تک کہ ہمارے وطن عزیز ہندوستان میں بھی آج مسلمانوں کو شک کی نگاہ سے

دیکھا جا رہا ہے کیوں کہ ان کے نزدیک اسلام خون و غارت گری اور تلواروں کی طاقت سے پھیلا ہے ۔ یہ دہشت گردی کی تعلیم دیتا ہے۔ اسلام غیر مسلمانوں کے ساتھ بہتر سلوک نہ کرنے کی ہدایت کرتا ہے اور دوسرے مذاہب کو برا کہتا ہے وغیرہ ۔ اسلام کے متعلق یہ غلط فہمیاں غیر مسلموں کو بدظنی کرنے پر آمادہ کردیتی ہیں، لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ مذہبِ اسلام پوری دنیا میں انسانیت اور بھائی چارگی کو فروغ دینے میں سب سے اعلیٰ اور بہتر ہے ۔ یہ دنیا کے سبھی مذاہب کو ادب و احترام کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔ کسی دوسرے مذہب کی برائی نہ کرنے کی تلقین کرتا ہے، مگر بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہمارے ملک میں چند مکتبۂ فکر کے لوگ ہیں جو اس طرح کا وہم معاشرے میں پھیلاتے رہے ہیں۔ ایسا کرنے کے پیچھے ان کا مقصد ملک کے امن اور چین کو بگاڑنا ہوتا ہے۔ مسلمانوں کے متعلق غلط بیان بازی کرکے سماج کو اشتعال انگیز بناکر ہندو مسلم اتحاد کو ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس طرح کے لوگ اپنی فکر اور سوچ کو پورے ملک میں نافذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ ہماری سرکاریں بھی اس طرح کے لوگوں کی حمایت میں کھڑی ہوجاتی ہیں۔ ایسے لوگ پورے ملک میں ایک قانون یعنی کہ کامن سول کوڈ (Common Civil Code) کو نافذ کرنے کی بات کرتے ہیں۔ کامن سول کوڈ کا مطلب یہ ہے کہ ایک ایسا نظام یا قانون جو ملک کے سبھی شہری پر یکساں طور پر نافذ ہوگا۔ یہاں قابلِ غور بات یہ ہے کہ آئین کی دفعہ ۴۴ میں جس لفظ کا استعمال ہوا ہے وہ Uniform Civil Code ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ مملکت یہ کوشش کرے گی کہ بھارت کے پورے علاقہ میں سبھی شہریوں کے لیے یکساں سول کوڈ کی ضمانت ہو۔ اس لیے یہاں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کامن سول کوڈ اور یونیفارم سول کوڈ کے مفہوم کو بھی واضح کردیا جائے تا کہ عوام دونوں کے امتیاز کو سمجھ سکیں اور اس کے فائدے و نقصانات سے آگاہی بھی حاصل کرسکیں Uniformity کا مطلب ہے کہ جن لوگوں کے رسم و رواج یعنی کہ Customs ایک جیسے ہیں ان پر ایک قانون نافذ ہوگا اور اگر سب کے لیے ایک قانون ہوگا تب لفظ Common استعمال ہوگا نہ کہ Unifom ۔ یہاں یہ بھی بتانا ضروری ہے کہ آئین کے دفعہ ۱۴ میں حقوق مساوات کا ذکر ہے جس میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جن لوگوں کے رسم و رواج اور کلچر ایک جیسے نہیں ہیں ان پر ایک قانون نہیں نافذ ہوگا یعنی کہ جو لوگ ایک طرح کے Circumstances میں ہیں ان کے لیے ایک قانون ہوگا۔ یہاں یہ بھی بتانا ضروری ہے کہ آئین کے باب تین میں دفعہ ۲۵ کا ذکر ہے جو ملک کے تمام شہری کو آزادیٔ ضمیر اور مذہب کو آزادانہ قبول کرنے اور اس کی پیروی اور تبلیغ کرنے کا حق دیتا ہے۔ آئین کے اسی حصے میں دفعہ ۲۹ اور ۳۰ کا بھی ذکر ہے، جس کے تحت اقلیتوں کو کچھ مخصوص حقوق دیے گئے ہیں۔ اس کے تحت انھیں ملک کے کسی حصے میں رہنے، اپنی زبان اور کلچر کو محفوظ رکھنے اور اسے فروغ دینے کا حق ہے۔ تمام اقلیتوں کو، خواہ وہ مذہب کی بنا پر ہوں یا زبان کی، اپنی پسند کے تعلیمی ادارے قائم کرنے اور ان کا انتظام کرنے کا حق ہے اور مملکت ان تعلیمی اداروں کو امداد عطا کرنے میں کسی تعلیمی ادارے کے خلاف اس بنیاد پر کوئی فرق نہیں کرے گا کہ وہ کس اقلیت کے زیر انتظام ہے خواہ اقلیت مذہب کی بنا پر ہو یا زبان کی بنا پر۔ یہاں یہ بھی ذکر کرنا ضروری ہے کہ یہ دفعائیں Fundamental Right کے تحت آتی ہیں جو یونیفارم سول کوڈ سے افضل ہیں اور اس میں پارلیمنٹ کے ذریعے بھی ترمیم نہیں کی جاسکتی ہے، لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ ہمارے ملک کے عوام جو ان بنیادی حقوق کی معلومات سے ناواقف ہیں ان کو ہمارے سیاست داں اپنے سحر انگیز بیان اور اپنی چرب زبانی سے گمراہ کرتے رہے ہیں۔ جس کے سبب ملک کے امن و چین اور ہندو مسلم اتحاد کو زبردست نقصان ہوتا ہے۔

رام گڑھ کے اپنے خطبہ میں آزاد ہندوستان کی تہذیبی، سیاسی، سماجی، اور تاریخی حالات کا جائزہ لیتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ’’ہندوستان کے لیے قدرت کا یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ اس کی سرزمین انسان کی مختلف نسلوں، مختلف تہذیبوں اور مختلف مذہبوں کے قافلوں کی منزل بنے۔ ابھی تاریخ کی صبح بھی نمودار نہیں ہوئی تھی کہ ان قافلوں کی آمد شروع ہوگئی اور پھر ایک کے بعد ایک سلسلہ جاری رہا۔ اس کی وسیع سرزمین سب کا استقبال کرتی رہی اور اس کی فیاض گود نے سب کے لیے جگہ نکالی۔ ان ہی قافلوں میں ایک آخری قافلہ ہم پیروانِ اسلام کا بھی تھا یہ بھی پچھلے قافلوں کے نشانِ راہ پر چلتا ہوا یہاں پہنچا اور ہمیشہ کے لیے بس گیا۔ یہ دنیا کی دو مختلف قوموں اور تہذیبوں کے دھاروں کا ملان تھا۔ یہ گنگا اور جمنا کے دھاروں کی طرح پہلے ایک دوسرے سے الگ الگ بہتے رہے، لیکن پھر جیسا کہ قدرت کا اٹل قانون ہے، دونوں کو ایک سنگم میں مل جانا پڑا۔ ان دونوں کا میل تاریخ کا ایک عظیم واقعہ تھا۔‘‘ [۴]

(خطباتِ آزاد، از ابوالکلام آزاد، مرتبہ مالک رام، ساہتیہ اکادمی، ساتواں ایڈیشن، ۲۰۱۵، ص: ۲۹۸-۲۹۹)

آج ہمارے ملک کے حالات اس قدر تیزی سے تبدیل ہو رہے ہیں کہ یہاں پر کوئی بھی شے دائم و قائم نظر نہیں آتی۔ سیاست نے سبھی کو اپنی زد میں لے لیا ہے۔ جس انسانیت، اخوت و بھائی چارگی کے لیے ہمارا ملک ہندوستان پوری دنیا میں مشہور تھا، ایسا لگتا ہے کہ اس کو کسی کی نظر لگ گئی ہے۔ پوری دنیا میں ہندوستان ہی ایک ایسا ملک ہے جس نے اپنے یہاں مختلف مذاہب کو پھلنے پھولنے کا موقع دیا۔ یہاں پر مہمانوں کا دیوتا کی مانند احترام کیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ یہاں مختلف قومیں آئیں اور بستی چلی گئیں۔ بقول فراق گورکھپوری:

سر زمین ہند پر اقوام کے عالم فراقؔ
قافلے بستے گئے ہندوستان بنتا گیا

اس طرح سے ایک نئے ہندوستان کا جنم ہوا جس میں مختلف مذاہب، اس کے رسم و رواج اور کلچر کی شمولیت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کو گنگا جمنی تہذیب کا سنگم کہا جاتا ہے۔ آزاد کی پرورش اسی گنگا جمنی تہذیب میں ہوئی جس کا اثر ان کی شخصیت پر اس قدر طاری ہوا کہ ساری زندگی اسی کی پیروی کرتے رہے۔ کیسے بھی حالات آئے ہوں، لیکن وہ اس پر ثابت قدم رہے، لیکن بڑے افسوس کی بات یہ ہے کہ آج اس گنگا جمنی تہذیب کو مسمار کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے جسے آزاد نے سب سے زیادہ اہمیت دی تھی۔ یہ تہذیب اسی وقت قائم و دائم رہ سکتی ہے جب ہم آزاد کے مذکورہ بالا خطبات میں پیش کیے گئے خیالات پر عمل کریں۔ آزاد انسانی حد بندیوں کے قائل نہیں کیوں کہ یہ تمام حد بندیاں انسانوں کی وضع کردہ ہیں جس نے انسانوں کو جغرافیائی، لسانی، نسلی اور دیگر تمام خانوں میں تقسیم کیا ہے۔ آزاد کو اس قسم کی خانہ بندی غیر پسندیدہ تھی اس لیے آزاد لکھتے ہیں:

"تاریخ انسانی کے ہر دور میں آپ دیکھیں گے کہ انسان نے دنیا میں بہت سی حد بندیاں قائم کی ہیں۔ جیسے جغرافیائی حد بندی، قومی حد بندی، لسانی حد بندی۔ یہ تمام حد بندیاں ہماری زندگی کی قدرتی ضرورت ہیں، لیکن جب تک یہ تعمیری دائرے میں رہتی ہیں تو ہمارے لیے ایک بڑا سہارا بنتی ہیں اور جب یہ تخریبی رنگ اختیار کر لیتی ہیں تو وہی مقاصد جو ان کے سہارے چمکتے تھے خاک میں مل جاتے ہیں۔"[۵]

(بحوالہ، ایوانِ اردو، مولانا ابوالکلام آزاد نمبر، اردو اکادمی دہلی، سنہ اشاعت ۲۰۱۴-۲۰۱۵ء ص: ۱۶۶-۱۶۷)

آزاد ہندوستان کے مسلمانوں کو احکامِ شرع کے مطابق رہنے کی ہدایت دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہندوستان کے سبھی مسلمان اپنی زندگی عین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مطابق گذاریں۔ وہ کہتے ہیں کہ چونکہ اسلام کا یہ حکم ہے کہ مسلمان جس ملک میں رہتے ہوں وہاں کے تمام باشندوں کو اپنا بھائی تسلیم کریں، خواہ ان کے مذاہب کچھ بھی ہوں۔ اس لیے ہندوستان میں رہنے والے تمام مسلمان ہندوستان کے سبھی باشندوں کو اپنا بھائی تصور کریں۔ اسی میں ملک کی خوشحالی اور ترقی ہے۔ اس لیے ۲۵ اگست ۱۹۲۱ء میں آگرہ میں منعقد ہونے والے جلسے میں بحیثیت صدر اپنے خطبے میں فرماتے ہیں:

"ہندوستان کے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ احکام شرع کو سامنے رکھ کر، حضور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے اُس اُسوۂ حسنہ کو پیش نظر رکھ کر، جو انھوں نے اہل مدینہ اور بت پرست لوگوں سے مصالحت کرتے ہوئے دکھایا، وہ نمونہ جو خود جنابِ سرورِ کائنات نے عملاً پیش کیا ہے اور حکماً جو تعلیم قرآن نے دی ہے، ہندوستان کے مسلمانوں کا یہ فرض شرعی ہے کہ وہ ہندوستان کے ہندوؤں سے مل کر کامل سچائی کے ساتھ عہد و محبت کا پیمان باندھ لیں اور ان کے ساتھ مل کر ایک نیشن ہو جائیں۔ میرے الفاظ یہ تھے کہ ہندوستان کے سات کروڑ مسلمان، ہندوستان کے بائیس کروڑ ہندو بھائیوں کے ساتھ مل کر ایسے ہو جائیں کہ دونوں مل کر ہندوستان کی ایک قوم اور ایک نیشن بن جائیں۔ اب میں مسلمان بھائیوں کو سنانا چاہتا ہوں کہ خدا کی آواز کے بعد سب سے بڑی آوز جو ہو سکتی ہے وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آواز تھی، اس وجودِ مقدس نے عہد نامہ لکھا۔ بجنسہٖ یہ اس کے الفاظ ہیں انہٗ اُمۃٌ واحدۃ"۔ ہم ان تمام قبیلوں سے جو مدینہ کے اطراف میں بستے ہیں، صلح کرتے ہیں، اتفاق کرتے ہیں اور ہم سب مل کر ایک اُمۃ" واحدۃ" بنا چاہتے ہیں۔ امّۃ کے معنی ہیں قوم اور نیشن اور واحدہ کے معنی ہیں ایک۔"[۶]

(خطباتِ آزاد، از ابوالکلام آزاد، مرتبہ مالک رام، ساہتیہ اکادمی، ساتواں ایڈیشن، ۲۰۱۵، ص: ۵۱)

اگر ہم آج کے حالات کا جائزہ لیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ہندو مسلم اتحاد اور فرقہ ورانہ ہم آہنگی کا آزاد کا یہ نظریہ کتنا اہم ہے۔ اگر چہ ان کے یہ خیالات برسوں پرانے ہو چکے ہیں، لیکن آج بھی ان کی اہمیت اور معنویت برقرار ہے۔ اگر میں یہ کہوں کہ آج اس کی اہمیت پہلے سے کہیں

زیادہ ہے تو شاید مبالغہ نہ ہوگا۔ آج جب ہم اکیسویں صدی کے دوسرے دشک یعنی کہ ۲۰۱۷ء میں جی رہے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ملک کا اخلاقی اور تہذیبی معیار کس قدر گرتا جا رہا ہے۔ آج کا یہ ماحول ملک کی ترقی میں روڑا بنتا جا رہا ہے جو ہم سبھی کے لیے مضر ثابت ہوگا۔ ملک کی ترقی کے لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ آزاد کے خیالات، ان کے تفکرات اور خطبات کا از سر نو مطالعہ کیا جائے اس کو سمجھا جائے، صرف یہیں پر آ کر ہی بات ختم نہیں ہو جاتی ہے بلکہ ضرورت یہ ہے کہ اس پر عمل بھی کیا جائے۔ تا کہ ہمارا ملک ہندوستان مختلف شعبوں میں ترقی کر کے دنیا کے ترقی یافتہ ملکوں کی قطار میں شامل ہو سکے۔ ملک کی بقا اور تحفظ کے لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ ملک کی وہ تمام ہندو جماعتیں جو مسلمانوں کو شک کی نظر سے دیکھتی ہیں اور ان کو ہندوستان میں دوئم درجے کا شہری سمجھتی ہیں یا یہ کہ یہ ملک ہندوستان صرف ہندوؤں کا ہے۔ اس لیے یہاں رہنے کا حق صرف انہی کا ہے۔ اس طرح کی سوچ سے ان لوگوں کو آزاد ہونا پڑے گا اور انھیں یہ بھی یاد رکھنا ہوگا کہ تحریکِ آزادی میں ہندوؤں کے ساتھ مسلمان بھی برابر کے شریک تھے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ مسلمانوں کی قربانیاں دیگر قوموں سے کہیں زیادہ تھی، تو مبالغہ نہ ہوگا۔ اُس عہد میں ہندوستان کی اکثر و بیشتر ریاستوں کی باگ ڈور مسلمان بادشاہوں کے ہاتھ میں تھی جس کو انگریزوں نے اُن سے چھینا تھا۔ اسی لیے انگریز مسلمانوں کو اپنا سب سے بڑا دشمن تصور کرتے تھے۔ یہی سبب ہے کہ سب سے زیادہ قربانیاں بھی مسلمانوں کو ہی دینی پڑیں۔ اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسے لوگوں کو چاہئے کہ مسلمانوں پر بھروسہ کریں اور آگے بڑھ کر ان کو گلے سے لگائیں، جس سے کہ ان میں بھی اپنے پن کا احساس پیدا ہو۔

مسلمانوں کو بھی حقیقت پسندی سے کام لینا چاہئے اور ہندوؤں کو برا تصور کرنے کے بجائے اپنا بھائی تسلیم کریں کیوں کہ انسانیت اور اسلام کا بھی یہ تقاضا ہے کہ ہم جس ملک میں رہیں اس سے محبت کریں اس کے احیا اور تحفظ کی ہر ممکن کوشش کریں اور ہندوستان کے ہر شہری کو اپنا بھائی تسلیم کریں جو ان کا دینی فریضہ بھی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہمارے سیاست دانوں کو چاہئے کہ وہ انسانیت اور بھائی چارگی کے جذبے کو فروغ دیں۔ عوام نے جو فرائض انھیں دیے ہیں اس کے ساتھ انصاف کریں اور بھول کر بھی کوئی ایسا بیان نہ دیں اور نہ ہی کوئی ایسا عمل کریں جس سے کہ ملک کے سیکولرزم اور ہندو مسلم اتحاد کو نقصان پہنچے، لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ آج ہمارے ملک کے سیاست دانوں کے قول و فعل میں بہت زیادہ تضاد ہوتا جا رہا ہے وہ کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں۔ اقتدار کا ہوس اس قدر ان پر طاری ہو جاتا ہے کہ وہ کچھ بھی کرنے اور کہنے سے خود کو باز نہیں رکھ پاتے۔ وزارتوں کے لالچ میں ہر بے اصولی اور بدعنوانی کرنے پر آمادہ رہتے ہیں۔ مختلف مدعوں پر غیر ذمے دارانہ بیان دے کر ملک میں فرقہ وارانہ فساد کو ہوا دیتے ہیں اور اس ہوا کو مزید جلا بخشنے کا کام میڈیا کر دیتا۔ ایسے حالات میں مولانا آزاد کے تفکر، ان کے خیالات اور خطبات کی معنویت پہلے سے زیادہ ہو جاتی ہے۔

○○

ابن صفی: شخصیت اور فن کے آئینے میں

اردو ادب میں ابن صفی کی گراں قدر خدمات کسی تعارف کی محتاج نہیں مگر ان کی خدمات کا اعتراف بہت کم ہوا ہے۔ ضرورت محسوس کی گئی کہ تمام ذہنی تحفظات سے بلند ہو کر معروضی انداز میں ان کے ادبی مقام کا تعین کیا جائے تا کہ نئی نسلیں ان کی تخلیقی فتوحات سے واقف ہو سکیں اور ان کے لائقِ رشک طرزِ نگارش، غیر معمولی حسِ مزاح، ذہانت، ذکاوت اور حیرت انگیز زود نویسی کے باوصف فکر و فن کی تازگی کو برقرار رکھنے کی زبردست صلاحیت کا ادراک و احساس کر سکیں۔ ایسے ہر دلعزیز تخلیق کار کا کھلے دل سے اعتراف کرنے کے لیے اردو اکادمی، دہلی اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے اشتراک سے ایک سمینار کا انعقاد کیا گیا تھا۔ اس سمینار کے بیس فکر انگیز مقالات پر مشتمل یہ کتاب قارئین کے لیے مفید مطلب بھی ہے اور وقت کی اہم ضرورت بھی۔

مرتبین: خالد محمود، خالد جاوید صفحات: ۲۴۸، قیمت: ۱۵۰ روپے

ناشر: اردو اکادمی، دہلی